فکر و نظر۔۔۔ اسلام آباد جلد : ۴۷ شمارہ : ۳

قرآنِ حکیم کے مختلف اسالیب کا بیان

ڈاکٹر محمد اکرم رانا ☆
قاری محمد عمر ☆

قدیم زمانے میں اسلوب کے لیے جو الفاظ ملتے ہیں ان میں طرز، روش، انداز بیان طرز اور پیرایہ اور گفتار شامل ہیں۔ اسلوب دراصل کسی تحریر کی خاص صفت کا نام نہیں بلکہ درحقیقت یہ مصنف کی پوری ذات کا عکس ہوتا ہے۔ مکمل اسلوب سے ایک طرز خاص وجود میں آ جاتی ہے جو صرف اسی خاص مصنف سے مخصوص ہوتی ہے۔ اسلوب میں مصنف کے باطن اور نفس کی پوری تصویر نمودار ہوتی ہے۔ مصنف کے تجربات الفاظ کی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ یہ الفاظ ان تجربات میں یوں جذب ہو کر ظاہر ہوتے ہیں جیسے پھول میں رنگ اور خوشبو، ان کا باہمی تعلق وہی ہے جو رگ و پوست کو شخص انسانی سے ہوتا ہے۔[۱]

شاہ ولی اللہ کے نزدیک قرآن مجید اسلوب بیان میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے اسے موجودہ انداز تصنیف کے مطابق ابواب میں تقسیم نہیں کیا گیا بلکہ جیسے شہنشاہ اپنی رعایا کے مخصوص حالات میں ایک مخصوص قسم کا فرمان جاری کرتے ہیں اور حالات تبدیل ہونے پر دوسرا فرمان جاری کر دیا جاتا ہے یہی انداز قرآن مجید میں اپنایا گیا ہے۔[۲]

قرآن مجید کے اسلوب کی انفرادیت کا ذکر کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جب اعلیٰ درجے کے ادیب اور انشاء پرداز اپنے معاصرین پر اپنی فضیلت قائم کرنا چاہتے ہیں تو ایک نیا اسلوب ایجاد کرتے ہیں اور پھر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس انداز کی غزل یا اس انداز

☆ بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

☆ بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

کی عبارت اور کوئی نہیں لکھ سکتا۔ چنانچہ لوگ اس کی انفرادیت کو محسوس کرتے ہیں اور اس کے سامنے جھک جاتے ہیں اس کے برخلاف اگر وہ طرز قدیم میں اپنی فوقیت کا اظہار کرتے ہیں تو دو ایک محققین کے علاوہ نہ تو کوئی اسے سمجھ سکتا اور نہ کوئی اس کا اعتراف کرتا یہی نکتہ قرآن مجید کے پیش نظر بھی تھا لہذا اس میں نئی راہ نکالی گئی اور اس طرح ہر شخص کو اس کی برتری کے سامنے خم ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت بھی عرب قصائد، خطبات، مکتوبات اور محاورات کے میدان میں ماہر تھے ان چاروں اسالیب کے علاوہ کسی اور اسلوب سے وہ واقف ہی نہیں تھے اور نہ ہی کوئی نیا اسلوب پیدا کر سکتے تھے۔ ایسے حالات میں اللہ تعالی نے ایک امی پیغمبر کے ذریعے قرآن مجید کا ایک نیا اسلوب متعارف کروایا۔ (۳)

شاہ ولی اللہ کے مطابق قرآن مجید میں چار گمراہ فرقوں (مشرکین، عیسائی، یہود اور منافقین) سے مجادلہ کیا گیا ہے اور اس کا اسلوب یہ اختیار کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے ان کے باطل عقائد پر روشنی ڈالی گئی ہے پھر ان کی برائیاں بیان کرتے ہوئے ان کے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار بھی کر دیا گیا، آخر میں ان کے شبہات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مضبوط منطقی اور خطباتی دلیلوں سے ان کے عقائد کی تردید کی گئی ہے۔ (۴)

علامہ جلال الدین سیوطی کے نزدیک ہر وہ شخص دلیل طلب کرے گا جو کلام پر قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے دلیل پیش نہ کر سکے، وگرنہ ایسا شخص جو عام سمجھنے والوں کی زبان میں گفتگو کرنے اور دوسروں کو سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو وہ کبھی اس طرح غامض کلام کے طرف مائل نہیں ہوگا جس کو بہت کم لوگ جانتے ہوں۔ لہذا اللہ تعالی نے اپنی مخلوق سے احتجاج و استدلال کا وہ اسلوب اپنایا ہے جو بالکل واضح ہے تاکہ عام لوگ بھی اس کلام کے ظاہری معنی سے بات بھی سمجھ سکیں اور حجت بھی قائم ہو جائے۔ (۵) اسلوب کو سمجھنے کے لیے ہمیں منطق کا سہارا بھی لینا پڑتا ہے۔

عقلی طور پر دلائل کی چار اقسام ہیں :

۱۔ نقلی دلائل

۲۔ منطقی دلائل

۳۔ مشاہداتی دلائل

۴۔ استقرائی دلائل

نیز منطقی دلائل کی بہت سی اقسام ہیں مثلاً (قیاس اقترانی، قیاس استثنائی، السبر و التقسیم، تسلیم اور انتقال وغیرہ)۔

قرآن حکیم میں ان تمام اسالیب پر مشتمل دلائل موجود ہیں۔ ذیل میں تفصیل کے ساتھ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے :

۱۔ نقلی دلائل

اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے کسی ایسی مقتدرہ کا حوالہ دینا جو مخاطب کے نزدیک بھی واجب التسلیم ہو چنانچہ آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کی رسالت کو ثابت کرنے کے لیے قرآن حکیم کا اسلوب ملاحظہ ہو فرمایا:

وانہ لفی زبر الاولین"(۶)

اور بلاشبہ محمد ﷺ کی رسالت کی خبر گذشتہ قوموں کی کتابوں میں بھی ہے۔

واضح رہے تورات و انجیل آسمانی کتابیں مخالفین (اہل کتاب) کے ہاں بھی معتبر ہیں۔ (ملاحظہ ہو تورات، استثناء ۳۳ : ۲ و انجیل یوحنا ۱۵ : ۱۲)۔

۲۔ منطقی دلائل

منطقی دلائل میں کثیر الاستعمال قیاس اقترانی ہے۔ قیاس اقترانی گفتگو کا وہ عمدہ اور خوبصورت اسلوب ہے کہ اس میں ایک کلیہ بیان کر کے اپنے دعویٰ کو اسی کلیہ پر منطبق کر دیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کا انداز ملاحظہ ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں جب جادوگروں کی رسیاں سانپ بن کر رینگنے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اس طرح تسلی دی :

انما صنعوا کید ساحر ولا یفلح الساحر حیث اتی (طہ ۶۹)

ان کی یہ کارروائی جادو کی ایک ترکیب ہے اور جادوگر خواہ کہیں بھی چلا

جائے اسے فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔

مذکورہ مثال میں قرآن مجید کا جملہ " ولا یفلح الساحر حیث اتی " ایک کلیہ ہے۔

قیاس استثنائی

یہ اسلوب عموماً وہاں اختیار کیا جاتا ہے جہاں کسی چیز کی نفی مقصود ہو۔ اس اسلوب کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ڈائریکٹ اس چیز کی نفی نہیں کی جاتی بلکہ اسے دوسری چیز پر موقوف کرتے ہوئے موقوف علیہ کی نفی کر دی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ موقوف علیہ کی نفی ہو چکنے کے بعد موقوف چیز از خود کالعدم متصور ہوتی ہے۔ شرک کی نفی کو واضح کرنے کے لیے قرآن مجید کا یہ عمدہ اسلوب ملاحظہ ہو:

لوکان فیهما الهة الا الله لفسدتا (سورة انبیاء۲۲)

زمین اور آسمان میں سوائے اللہ کے اگر کوئی اور اللہ بھی ہوتا تو دونوں چیزیں تباہ ہو جاتیں۔

جب زمین اور آسمان تباہ نہیں ہوئے تو کسی دوسرے اللہ کا ہونا از خود منتفی ہو جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس مقام پر قرآن نے صرف صغریٰ ذکر کیا ہے اور کبریٰ محذوف ہے۔اس طرح کی مثالیں قرآن مجید میں عام ہیں جہاں کوئی مقدمہ ہوتا ہے۔(۷)

۳۔ السبر و التقسیم

یہ بھی منطقی دلائل میں سے بڑی دلیل ہے اس کے ذریعے مخالف کا دعویٰ بالکل بے جان کر دیا جاتا ہے اور وہ تمام احتمالات کہ جن میں سے کسی ایک احتمال کا پایا جانا ثبوت دعویٰ کے لیے بہر حال ضروری ہوتا ہے ایک ایک کر کے رد کر دیئے جاتے ہیں۔ اور یہ صرف منطقی دلیل نہیں، اصول فقہ میں قیاس کی علت متعین کرنے میں بھی استعمال ہوتی ہے اس طرح یہ فقہی ، اصولی، اجتہادی دلیل بھی ہے۔

قرآن مجید میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ سورۃ الانعام میں کفار کی یہ عادت بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگ حلال جانوروں میں سے بعض اوقات نر جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لیا کرتے تھے اور بعض مرتبہ مادائوں کو بھی۔ اللہ تعالیٰ ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

یہ تمہارے حرام قرار دینے کی صرف چار صورتیں متحمل ہو سکتی ہیں۔

۱۔ وہ حرام اس لیے ہیں کہ مذکر ہیں۔

۲۔ وہ حرام اس لیے ہیں کہ مونث ہیں۔

۳۔ اس لیے کہ وہ جانور جس رحم میں پیدا ہوئے اس میں کوئی ایسی بات ہے جو حرمت کا باعث ہو سکتی ہے۔

۴۔ یا پھر اس لیے کہ حرام سمجھتے ہو کہ خدا نے انہیں حرام قرار دیا ہے۔

یہ چاروں احتمالات ناممکن ہیں اس لیے کہ نر ہونا اگر حرمت کا سبب ہوتا تو تم مادہ کو حرام نہ کہتے، اسی طرح اگر مادہ ہونا حرمت کا باعث ہوتا تو تم نر کو حلال سمجھتے اور اگر رحم میں کوئی ایسی بات ہوتی تو تم نر اور مادہ دونوں کو بیک وقت حرام قرار دیتے اور چوتھا احتمال بھی ناممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حرام ہونے کے بارے میں ایسا کوئی حکم نازل نہیں کیا لہذا تمہارا زعم باطل ہے۔(۸) الفاظ قرآنی اس طرح سے ہیں:

ومن الابل اثنين ومن البقر اثنين قل ء الذكرين حرم ام الانثيين اما اشتملت عليه ارحام الانثيين ام كنتم شهداء اذ وصكم الله بهذا" (سورة الانعام:۱۴۵)

۴۔ تسلیم

تسلیم کا مفہوم یہ ہے کہ مخالف فریق کی کسی بات کو تسلیم کرتے ہوئے اسے کہنا کہ اس بات کے تسلیم کر لینے کے باوجود تمہارا مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ یہ اسلوب منطقی استدلال کا چوتھا اہم طریقہ ہے اور قرآن مجید میں متعدد مقامات پر یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

سورت الانعام (آیت ۹) ہی میں کفار کے ایک اعتراض کے جواب میں خدائے لم یزل نے یہ اسلوب اختیار فرمایا ہے۔

کفار کو آنحضورﷺ کے بطور نبی مبعوث ہونے پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ تھا کہ ہمارے پاس جائے انسان کے کسی فرشتہ کو نبی بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا، جواباً اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ " ولوجعلنه ملكاً لجعلنه رجلا" یعنی اگر کسی فرشتے کو اس کی اصل شکل صورت

میں بھیج دیا جاتا تو اس سے استفادہ ممکن نہ ہوتا کہ اس کی اصل شکل دیکھنے کی تاب تمہارے اندر موجود نہیں ہے۔ پس لامحالہ اسے بھی کسی مرد کی صورت میں بھیجا جاتا الغرض اگر کفار کی بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اس کا مقصود حاصل نہیں ہوتا۔

۵۔ انتقال

بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ مدعی کی پیش کردہ دلیل پر مخالف فریق اعتراض کر دیتا ہے مدعی بجائے اس اعتراض کے ساتھ الجھنے یا اس کا جواب دینے کے ایک دوسری دلیل پیش کر دیتا ہے اس سے مدعی کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ پہلی دلیل غلط تھی یا اس میں کوئی نقص تھا بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ فریق مخالف کا فہم پہلی دلیل کے بارے میں صحیح ادراک نہیں کر سکا اور اعتراض جڑ دیا، لہذا وہ دوسری دلیل پیش کر دیتا ہے۔ منطقی انداز میں مناظرہ کے اسلوب کو انتقال کہا گیا ہے۔[۹]

حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کے مابین ہونے والے مناظرہ کو قرآن مجید (سورۃ البقرہ آیت نمبر۲۵۸) اسی اسلوب میں بیان کرتا ہے چنانچہ سیّدنا ابراہیمؑ نے نمرود کو مخاطب کر کے جب یہ کہا کہ "ربی الذی یحییٰ و یمیت" یعنی میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس پر نمرود نے ایک بے گناہ کو پکڑا اور قتل کرا دیا اور پھر ایک دوسرا شخص جسے پھانسی کا حکم ہو چکا تھا، اسے آزاد کر دیا اور کہا " انا احیی و امیت" یعنی زندہ کرنے اور مارنے والا کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ سیّدنا ابراہیمؑ سمجھ گئے کہ میری یہ پیش کردہ دلیل سمجھ نہیں سکا، چنانچہ وجود باری تعالیٰ پر فوراً ایک اور دلیل پیش کی " فان الله یأتی بالشمس من المشرق فأت بھا من المغرب" اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے (تو خدا ہے تو) مغرب سے نکال کر دکھا، مناظرہ کا یہ اسلوب انتقال تھا جب نمرود کی دلیل کی قوت ختم ہو گئی تو بقول باری تعالیٰ " فبھت الذی کفر" کہ (اس دلیل کے بعد) اللہ کا منکر مبہوت ہو کر رہ گیا۔

۶۔ مشاہداتی دلائل

فریق مخالف کو ایسی چیز دکھانا اور پیش کرنا کہ جنہیں دیکھ کر ہر انسان اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہو جہاں مدعی پہنچا ہے، مشاہداتی دلیل کہلاتا ہے۔ بنیادی عقائد کو ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید نے دلیل کی اس تیسری قسم کو بہت زیادہ استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نقلی و منطقی دلائل میں بھی وہ وزن نہیں جو مشاہدہ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مشاہداتی دلیلیں مختلف مقامات پر اور مختلف انداز میں پیش فرمائی ہیں۔ عقیدہ توحید پر دلیل دیتے ہوئے قرآن حکیم کا اسلوب ملاحظہ ہو:

> امن جعل الارض قراراً و جعل خلالها انهراً وجعل لها ر واسى و جعل بين البحرين حاجزاً اله مع الله بل اكثرهم لا يؤمنون (سوره نمل آيت نمبر٦١)
>
> یعنی یہ بتلاؤ کہ زمین کو رہنے کی جگہ کس نے بنایا اور اس کے درمیان نہریں کس نے رواں کیں اور اسے جمائے رکھنے کے لیے پہاڑ کس نے کھڑے کیے اور دو سمندروں کے درمیان ایک حائل کس نے بنایا؟ (کیا اب بھی تم) اللہ کے ساتھ کسی کو معبود کہتے ہو بلکہ ان میں سے اکثر صحیح بات نہیں جانتے۔

۷۔ تجرباتی دلائل

اپنے نقطہ نظر کو درست ٹھہرانے کے لیے دنیا کے سابقہ واقعات کی طرف "توجہ دلانا" تجرباتی دلائل کہلاتا ہے۔ اس کا اسلوب یہ ہے کہ مدعی نشاندہی کرتا ہے کہ دیکھو فلاں وقت میں فلاں نے میری بات مانی تھی اور وہ کامیاب و کامران ہوا تھا اور فلاں نے اس وقت میری بات پر کان نہیں دھرا تھا اور میرے نظریہ کے خلاف عمل کیا تو اسے ناکامی ہوئی۔ دلائل کے اس اسلوب کو استقرائی دلائل بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر سابقہ امم کے تجربات کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ ایک مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

"اولم یسیروافی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلھم کانوا اشد منھم قوة و اثار والارض و عمروھا اکثر مما عمر وھا و جائتھم رسلھم باالبینت فما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون" (سورة الروم آیت نمبر۹)۔

کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے ان لوگوں کا انجام کیا رہا جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں حالانکہ قوت کے اعتبار سے وہ ان سے کہیں زیادہ تھے اور انہوں نے زمین کو ان کے بسانے سے زیادہ بسایا، بویا اور جوتا تھا اور ان کے پاس ہمارے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے تھے تو اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں تھا لیکن وہ اپنے آپ پر خود ظلم کرتے تھے۔

۸۔ تصویر

تصویر قرآن مجید کے اسلوب کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ تصویر کے ذریعے ذہن میں مخفی اور نفسانی حالت کو محسوس صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس طرح تصویر کے ذریعے عام طور پر دیکھے جانے والے حوادث و مشاہدات اور انسانی اجسام کی منظر کشی کی جاتی ہے اور پھر سلیقہ سے اس کھینچی ہوئی تصویر میں ترقی پیدا ہو کر زندگی اور حرکت نمودار ہوتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذہنی چیز شکل اور متحرک ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ اس طرح نفسانی حالت ایک منظر کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔[۱۰] مثلاً سورة الاعراف آیت نمبر۴۰ میں فرمایا گیا کہ کافر جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ آیت قرآنی ملاحظہ ہو:

ان الذین کذبوا بایتنا واستکبروا عنھا لا تفتح لھم ابواب السماء ولا یدخلون الجنة حتی یلج الجمل فی سم الخیاط

جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے سر تابی کی ان کے لیے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکل جائے۔

—

اس آیت کو پڑھتے ہی ذہن میں دو تصویریں گھومنے لگتی ہیں۔ ایک آسمان کے کھلنے کی تصویر، دوسری ایک موٹے رسے کی سوئی کے ناکے سے نکل جانے کی تصویر۔ موٹے رسے کی بجائے یہاں خاص طور پر اونٹ کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ مضمون نفس انسان کی گہرائی میں صرف ذہنی راستہ سے نہیں بلکہ عینی اور حسی طریقہ سے اتارا گیا۔(۱۱)

تجسیم

تجسیم سے مراد یہ ہے کہ جو معنویات مادہ سے مجرد ہیں انہیں مجسم انداز میں پیش کیا جائے۔(۱۲) جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۱۰ میں فرمایا گیا:

وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عنداللہ

جو تم بھلائی اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے خدا کے ہاں پاؤ گے۔

اس آیت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ روز قیامت اعمال کو جو کہ ایک غیر مجسم معنوی چیز ہے محسوس اور مادی صورت میں پیش کیا جائے گا۔ اسی کا نام تجسیم ہے۔ یعنی اعمال ایک شخص کی طرح بذات خود حاضر ہوں گے۔(۱۳)

قصص

تعبیر و بیان کا اپنا ایک الگ اسلوب ہے جس کو قرآن تمام اغراض و مقاصد کی ادائیگی کے لیے استعمال کرتا ہے۔ ان واقعات کے بیان کرنے میں نظم کلام موقع بیان اور مخاطب کے حالات کی پوری رعایت دی گئی ہے۔ قرآن ان اقوام سے صرف انہی پیغمبروں کے حالات و واقعات بیان کرتا ہے جن کو وہ برگزیدہ سمجھتے تھے۔ مثلاً اہل کتاب سے تخاطب کے دوران حضرت داؤدؑ، اور حضرت سلیمانؑ اور کبھی حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی داستان حیات سامنے لاتا ہے لیکن جب عرب اور قریش سے خطاب ہو تو عاد و ثمود اور قوم لوط کے واقعات بیان کرتا ہے۔

قرآن مجید میں مکمل قصص اور اس کی تمام جزئیات بیان کرنے سے بھی گریز کیا گیا ہے بلکہ واقعات کے صرف انہی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کا بیان حصول مقصد کے

لیے ضروری تھا۔ اس انداز میں حکمت یہ تھی کہ لوگوں کے سامنے جب نئے قصے کی تمام تفصیلات بیان کر دی جاتیں تو پھر وہ اس کی دلچسپیوں میں کھو جاتے اور اصل مقصد فوت ہو جاتا۔[(۱۴)]

اقوام سابقہ کے حالات و واقعات بیان کرنا قرآن میں مقصود بالذات نہیں، قرآن نے اپنے دینی مقاصد پورے کرنے کے لیے جس طرح دوسرے ذرائع اختیار کیے اسی طرح بیان واقعہ سے موعظت مقصود ہے۔[(۱۵)]

حذف

کلام سے غیر ضروری الفاظ ساقط کرنے کا اسلوب حذف کہلاتا ہے۔ غیر ضروری الفاظ سے مراد وہ الفاظ ہیں جن کے بغیر کلام بھی قابل فہم رہتا ہے اور سننے والا بھی اس سے متاثر ہوتا ہے۔[(۱۶)] جبکہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک کلام کے کسی حصے کو بیان نہ کرنا جس سے مفہوم میں ابہام پیدا ہو جائے حذف کہلاتا ہے۔[(۱۷)]

حذف کلام کے افہام و تفہیم کے ذریعہ ہے۔ اس بناء پر اگر الفاظ اور جملے کم اور معانی وسیع ہوں تو سامع جلد متاثر ہوگا۔ چونکہ اہل عرب اپنی ذہانت و فطانت اور قدرت کلام میں مشہور تھے اس لیے قرآن نے حذف کے ذریعے کلام کو موثر اور بلیغ بنا دیا تاکہ وہ "ما قل وماول" کی تفسیر بن جائے۔ مثال کے طور پر سورہ النحل کی آیت نمبر ۱۱۲ پیش کی جاتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ :

فاذاقها الله لباس الجوع والخوف بما كانوا يصنعون

اگر حذف نہ ہوتا تو پوری آیت اس طرح پڑھی جاتی :

فاذا قها الله طعم الجوع والبسها لباس الخوف۔

اب الفوز الکبیر سے حذف کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۷۷ میں فرمایا: " ولكن البر من امن ــــ " اس آیت میں " من امن " سے پہلے بر محذوف ہے۔ اصل میں جملہ یوں ہے، " ولكن البر برمن امن بالله " دوسری مثال میں سورۃ القدر کی پہلی آیت ملاحظہ

فرمائیں۔ " انا انزلنه فی لیلة القدر" یعنی ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا۔ چنانچہ اس آیت میں ضمیر "ۃ" کی جگہ القرآن ہونا چاہیئے کیونکہ اس سے پہلے قرآن کا ذکر نہیں۔ وہی اس ضمیر کا مرجع ہے۔

لبدال

ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے تبدیل کرنے کا اسلوب لبدال کہلاتا ہے جو قرآن مجید میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ لیکن اس کی صورتیں مختلف ہیں کبھی فعل کو فعل سے تبدیل کیا جاتا ہے تو کبھی اسم کو اسم سے۔(۱۸)

چند ایک صورتوں کی مثالیں ے درج ذیل ہیں :

فعل سے فعل کی تبدیلی کی مثال میں یہ آیت پیش کی جاتی ہے۔ " هذا الذی یذکر الهتکم" (سورۃ الانبیاء ۳۶) کیا یہ وہی ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے اس آیت میں "یذکر" کی جگہ "یسب" تھا یعنی جو ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے لیکن چونکہ یہ طریقہ ناپسندیدہ تھا اس لیے یسب کی جگہ یذکر کا لفظ استعمال کیا گیا۔

بعض لوقات اسم کو اسم سے بھی تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً " والعصر ان الانسان لفی خسر" (سورۃ العصر آیت نمبر۱ تا۲)، عصر کی قسم بے شک انسان گھاٹے میں ہے۔ انسان اس آیت میں بنی آدم کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ مفرد ہونے کے باوجود اسے بنی آدم کی جگہ "ان الانسان" استعمال کیا گیا ہے۔ لبدال میں کبھی حرف کو حرف سے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً " هم لها سابقون" (سورۃ المومنون ۶۱)۔ یعنی وہ لوگ اس کی طرف سبقت کرنے لگے۔ اس آیت میں "لها" "الیها" کی جگہ استعمال ہوا ہے۔(۱۹)

تصریف

قرآن مجید کا اسلوب یہ بھی ہے کہ وہ بعض آیات کو بالتکرار لفظاً یا معناً بیان کرتا ہے۔ یعنی ایک بات کو متعدد طریقوں سے مختلف پیراؤں میں ذکر کرتا ہے۔ اس کی عبارت بدلتی رہتی ہے لیکن مقصد و منشاء ایک ہی ہوتا ہے۔ مثلاً اگر توحید کی دعوت دی گئی تو اس کو انسانی

فطرت کی آواز قرار دیا گیا۔ کبھی یہ فرمایا کہ تمام انبیاء کرام نے بھی اسی چیز کی دعوت دی کہیں اس طور پر بحث کی کہ اس کائنات پر غور و فکر کرو جس نے اتنی بڑی کائنات پیدا کی ہے وہی خدا واحد ہے۔ بعض اوقات اللہ کے عظیم احسانات ذکر کرنے کے بعد اسی ایک سجدے کی طرف بلایا جاتا ہے جسے انسان گراں سمجھتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ :

انظر کیف نصرف الایت لعلهم یفقهون (سورة الانعام ٦٥)

دیکھو ہم کس طرح اسلوب بدل بدل کر بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ سمجھ جائیں۔

قرآن مجید نے ہواؤں کے لیے بھی تصرف کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کیونکہ ہوائیں کبھی رحمت الٰہی کی خوشخبری لے کر آتی ہیں تو کبھی عذاب کا تازیانہ لے کر ظاہر ہوتی ہیں۔ کہیں پر پانی برساتی ہیں اور کسی زمین کو خشک چھوڑ دیتی ہیں۔ ایک قوم کو زرخیزی عطا کرتی ہیں تو دوسری کو سیلابوں، پتھروں اور بگولوں کے ذریعے تباہ کر کے رکھ دیتی ہیں۔[۲۰]

التفات

یہ قرآنی اصول خطاب کی ایک قسم ہے۔ یہ احکم الحاکمین کا مخلوقاتِ عالم سے خطاب ہے۔ اس لیے اس کے مخاطبین تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی جمیع عوام سے، کبھی کسی خاص قوم سے، کبھی صرف مسلمانوں سے علیٰ ہذا القیاس خطاب فرمایا جاتا ہے۔ ایسا اسلوب قرآن مجید میں بکثرت پایا جاتا ہے۔[۲۱] مثلاً ایک جگہ قرآن مجید میں آنحضورﷺ سے خطاب کیا گیا تو دوسری آیت میں لوگوں سے مخاطب ہوا ابھی لوگوں سے خطاب جاری ہے کہ پھر آنحضورﷺ کی جانب التفات ہو گیا۔ سورۃ النمل کی آیات ۴۳ تا ۴۴ ملاحظہ ہوں۔

وما ارسلنا من قبلك الا رجالاً نوحی الیهم

یعنی ہم نے تم سے پہلے مردوں کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔

اس کے ساتھ ہی لوگوں سے التفات ہوا کہ

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون

اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔

پھر روئے سخن آنحضور ﷺ کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔

وانزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل اليهم

ہم نے یہ کتاب تم پر اس لیے نازل کی تاکہ جو کچھ اس میں نازل ہوا ہے آپ ﷺ اسے لوگوں کے لیے بیان کر دیں۔

التفات کی نہایت قریب الفہم مثال سورۃ فاتحہ میں ہے۔ اس میں ہم اللہ کی بعض صفات کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس کو مخاطب کر کے ان صفات کا حوالہ نہیں دیتے، اس کے بعد (اياك نعبدو واياك نستعين) سے اللہ تعالی کو مخاطب کر کے اس سے دعا کرتے ہیں۔ اس میں مخاطب کی تعظیم اور اس کے مرتبہ جلیلہ کا لحاظ زیادہ ہے۔ لیکن دعا انابت اور الہ کے سامنے اظہار عجز کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لیے حاضر کا صیغہ زیادہ موثر ہوتا ہے۔(۲۲)

عود علی البداء (اصل مضمون کی طرف دوبارہ لوٹنا)

قرآن مجید کا ایک خاص اسلوب یہ بھی ہے کہ وہ ایک مضمون کو بیان کرتا ہے لیکن درمیان میں کسی خاص مناسبت سے کچھ اور باتوں کا ذکر شروع کر دیتا ہے۔ اس کے بعد پھر اصل مضمون کی طرف رجوع کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً سورۃ بقرہ آیت نمبر ۴۰ میں بنی اسرائیل کو خطاب کیا جا رہا ہے۔ پھر درمیان میں کچھ اور باتوں کا ذکر کر کے آیت نمبر ۴۷ میں دوبارہ بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا۔ اسی طرح سورۃ المومنون میں ایمان والوں کی ایک صفت نماز بیان کی گئی درمیان میں کچھ اور صفات کا تذکرہ کر کے دوبارہ پہلی صفت نماز کا تذکرہ کیا گیا۔

سورۃ الحشر کی ابتداء اس مضمون سے ہوتی ہے کہ ساری کائنات اللہ تعالی کی تسبیح اور حمد بیان کر رہی ہے وہی غالب اور حکمت والا ہے درمیان میں دوسرے مضامین پر روشنی ڈالتے ہوئے خاتمہ اسی مفہوم پر ہوا جس سے وہ شروع ہوئی تھی۔(۲۳)

اجمال / تفصیل

قرآن مجید کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ وہ بعض مقامات پر اجمال سے بات کرتا ہے اور بعض مقامات پر تفصیل سے۔ اگر عام عربوں سے خطاب ہے تو اجمال کا پہلو ملحوظ خاطر رکھا

گیا ہے، اگر بنی اسرائیل سے خطاب ہے تو عموماً شرح و بسط سے کام لیا گیا ہے۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اجمال کے بعد تفصیل بیان کرتا ہے کسی بات کو اجمالاً بیان کرنے کا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ آدمی کا ذہن اس کو قبول کرنے پر تیار ہو جائے اور مزید اطمینان کے لیے تفصیل مل جائے۔(۲۴) جیسا کہ سورۃ ہود کی آیت نمبر ا میں فرمایا:

کتب احکمت آیتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر
یعنی یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے بہ تفصیل بیان کر دی گئی ہیں۔

اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ سورۃالبقرہ کی آیت نمبر ۲۴۷ میں ہے کہ جو لوگ ایمان لائے تو خدا ان کا دوست ہے اور ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں کہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیرے میں لے جاتے ہیں، یہی لوگ اہل دوزخ ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

استطراد

قرآن مجید کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ ایک مضمون کی مناسبت سے دوسرے مضمون کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً سورۃ اعراف کی آیت نمبر۲۶ میں فرمایا:

یبنی آدم قد انزلنا علیکم لباس یواری سوانکم وریشا ولباس التقوی ذالك خیر

علامہ زمخشری کے نزدیک یہ آیت لباس و تقویٰ کے استطراد کے طور پر ذکر کی گئی ہے کیونکہ اس سے قبل آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور حضرت آدمؑ کی اس حالت کا ذکر ہوا کہ وہ لباس کی بجائے درختوں کے پتوں سے اپنا جسم ڈھانکتے تھے تو اس موقع پر تبعاً واستطراداً اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات میں نعمت لباس کا ذکر فرمایا کہ جس سے انسان ستر عورت کر سکے اور زیب و زینت بھی۔ لباس صوری و ظاہری کی معیت میں لباس معنوی اور باطنی میں بیان فرما دیا کہ تقویٰ ہی انسان کا بہترین لباس ہے۔(۲۵)

حسن تخلص

امام جلال الدین سیوطی کے نزدیک ایک مضمون بیان کرنے کے ساتھ ہی دوسرے ایک مضمون کی طرف ایسے دقیق انداز سے منتقل ہو جانا کہ سامع کو انتقال مضمون کا احسان بھی نہ ہو، حسن تخلص کہلاتا ہے۔ مثلاً سورۃ شعراء کی آیت نمبر ۸۷ میں حضرت ابراہیم کا قول نقل کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے یوں مناجات کرتے ہیں۔ "ولا تخزنی یوم یبعثون" یعنی اے میرے پروردگار جس دن لوگ اٹھائے جائیں ے گے اس روز مجھے رسوا نہ کرنا۔ اس بیان کے ساتھ ہی فوراً آخرت اور معاد کے احوال کی طرف کلام لوٹ گیا کہ یوم لا ینفع مال ولا بنون یعنی اس دن مال اور بیٹے (اولاد) نفع نہیں دیں گے۔ الغرض قرآن مجید کا یہ خصوصی اسلوب ایسا نرالا اور عجیب ہے کہ اس کی عظمت و برتری کا احاطہ کرنے سے عقل انسانی قاصر ہے۔

استطراد اور حسن تخلص میں فرق یہ ہے کہ استطراد میں دوسرے مضمون کے بعد فوراً اصل مضمون کی طرف روئے سخن تبدیل ہو جاتا ہے اور حسن تخلص میں ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف اس خوبی سے کلام کا رخ پلٹتا ہے کہ سامع کو محسوس تک نہیں ہوتا اور دوسرا مضمون اس طور پر مسلسل بیان ہوتا ہے کہ ہر دو مضمون میں ایسا اتحاد دکھائی دیتا ہے کہ مخاطب دونوں کو ایک ہی مسلسل اور مربوط مضمون خیال کرتا ہے۔(۲۶)

جملہ معترضہ

قرآن مجید کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ کلام کے درمیان کہیں کہیں جملہ معترضہ لا کر کسی بات کی وضاحت کر دیتا ہے۔ اس کا خاص مقصد ازالہ شبہات ہوتا ہے اور کبھی کسی سلسلہ بیان میں اصل گفتگو سے ہٹ کر کوئی مفید اور مناسب بات کہنے کی صورت نکل آتی ہے تو اس موقع کو مفید خیال کرتے ہوئے درمیان میں اسے بیان کر دیا جاتا ہے۔(۲۷)

مثلاً سورۃ انعام کی آیت نمبر ۱۰۰ میں ارشاد ہوتا ہے کہ "وجعلوا لله شرکاء الجن و خلقهم و خرقو اله بنین و بنات بغیر علم" یعنی ان لوگوں نے جنات کو خدا کا شریک

ٹھہرلیا حالانکہ ان کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور بلا ثبوت اس کے لیے بیٹے اور بیٹیوں کا عقیدہ گھڑ لیا۔ اس آیت میں " خلقهم" جملہ معترضہ کے طور پر لایا گیا ہے۔

تکرار

قرآن مجید کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ وہ واقعات کو بار بار بیان کرتا ہے اور بعض آیات بعینہ دہرائی جاتی ہیں۔ قرآن مجید میں ہر جگہ موثر اسلوب اختیار کیا گیا ہے جب ہمارا مقصود یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو ہر طرح سے متاثر کر دیں تو ایک ایک جملے کو بار بار کہتے ہیں ے اور مخاطب پر اس کا اثر پڑتا ہے مثلاً ایک شخص نے تم پر کثرت سے احسانات کیے وہ اپنے طرز عمل سے ان احسانات کا انکار کرتا ہے تو تم اس کو اس طرح سمجھاتے ہو کہ تم ہمارے کن کن احسانات کا انکار کرو گے۔ کیا ہم نے تم پر یہ احسان نہیں کیا کہ تمہیں رہنے کو گھر دیا۔ قرآن مجید میں " فبای الاء ربکما تکذبان" کی تکرار بھی اسی قسم کی ہے۔(۲۸)

اس تکرار کی حکمت یہ ہے کہ قرآن پاک نے عرب اور غیر عرب اقوام کو اپنی بلاغت میں چیلنج کرنے کے لیے مذکورہ اسلوب اختیار کیا ہے تاکہ سمجھا جائے کہ یہ بشری کلام نہیں کیونکہ جب کوئی شاعر یا انشاء پرداز کسی قول کی تکرار کرتا ہے تو فصاحت کے اعتبار سے اس کا کلام ثانی کلام اول کے درجے تک نہیں پہنچتا لیکن قرآن حکیم میں ہر بار نئے انداز سے تکرار کیا گیا ہے۔(۲۹)

شاہ ولی اللہ کے نزدیک ہر قسم کے مسائل میں قرآن مجید نے تکرار کا جو اسلوب اختیار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم کسی شخص کو کچھ بتلانا چاہتے ہیں تو اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، اول تو یہ کہ تخاطب کا مقصد صرف یہ ہو کہ مخاطب کو وہ چیز بتلا دی جائے جس سے وہ ابھی تک ناواقف ہے تو ایسی صورت میں صرف ایک بار کہہ دینا ہی کافی ہے لیکن اگر اس کے ذہن میں اس طرح نقش کرنا مقصود ہو کہ وہ اس کے لطف کو محسوس کر سکے جیسا کہ ہم ایک اچھے شعر کو بار بار پڑھ کر ہر بار اس سے نیا لطف اٹھاتے ہیں حالانکہ اس کے مفہوم سے بھی آگاہ ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے بھی اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے تکرار کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ اس بات کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ ایک ہی عبارت بار بار نہ

دھرائی جائے۔ چنانچہ ہر بار انداز و اسلوب کی تبدیلی کی وجہ سے طبیعت اس کی دل نشینی سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ اور بات بھی پوری طرح دل میں بیٹھ جاتی ہے۔[۳۰]

تقابل

قرآن مجید کا ایک عام اسلوب یہ بھی ہے کہ مقابل اشیاء کا ذکر تقابل کے طور پر کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ قرآن مجید میں کفار اور مومنین کا ذکر اکثر و بیشتر ہوتا ہی رہتا ہے۔ کہیں آسمان اور زمین کو تو کہیں اندھیرے اور روشنی کو مدمقابل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ مثلاً سورۃ انعام کی آیت نمبرا میں ہے کہ ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اندھیرا اور روشنی بنائی۔ یہاں پر آسمان اور زمین، روشنی اور تاریکی کا ذکر مدمقابل کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ عبس میں خیر و شر کی مختلف خصوصیات بیان کر کے ان کا تقابل کیا گیا ہے۔ خیر کی صفات میں تزکیہ اور تذکر کو بیان فرمایا جبکہ شر کی صفات میں استغناء کفر اور فجور کا ذکر موجود ہے، ایک اور جگہ فرمایا" قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون (سورۃ زمر۔۱۹)۔ یعنی کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۴۲ میں فرمایا۔" ولا تلبسوا الحق بالباطل" یعنی حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ۔

اس اسلوب کی حکمت یہ ہے کہ جب کوئی چیز اپنے مقابل کے ساتھ بیان کی جاتی ہے تو طبیعت اس کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہے اور چونکہ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں اس لیے مدمقابل خوب نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔

موسیقی

شاہ ولی اللہ اور سیّد قطب شہید کے نزدیک قرآن مجید میں اسلوب موسیقی بھی پایا جاتا ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔ سیّد قطب شہید کی رائے میں الفاظ کی صوتی ہم آہنگی ہی موسیقی ہے۔ یہ موقع کے ساتھ گہری مطابقت بھی رکھتی ہے۔ قرآنی موسیقی ہر مقام کے خاص نظم کے تابع ہوتی ہے۔[۳۱]

شاہ ولی اللہ کے نزدیک ہر قوم کے موسیقی کے قواعد ہوتے ہیں لیکن کچھ اصول مشترکہ بھی ہوتے ہیں(جنہیں حقیقی وزن کہا جا سکتا ہے) جب اللہ تعالی نے انسانی لب و لہجہ کے ذریعے بنی نوع انسان سے خطاب کیا تو اسی حقیقی وزن کو اختیار کیا اگر ان موضوعہ اصول و قواعد کو یکسر نظرانداز کر دیا جائے جو کسی ملک و قوم یا خطہ کی تبدیلی کی وجہ سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور انسان کی جہالت اور فکر کی عاجزی کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اجمالی اور مشترکہ حسن کو اس انداز سے کام میں لانا کہ گفتگو کے ہر پیچ و خم اور کلام کے ہر نشیب و فراز میں معیار زبان کو صدمہ نہ پہنچنے پائے تو یہ ایک انتہائی شاندار اور معجزانہ اسلوب ہے۔(۳۲)

قرآن کے صوتی آہنگ کو ملاحظہ فرمایئے :

افرایتم اللّٰت والعزی ومنوة الثالثه الاخری۔ یہ آیت اگر یوں ہوتی " افرایتم اللت والعزی و منوة الثالثه" تو قافیہ میں فرق پڑ جاتا اور دھن باقی نہ رہتی۔ اسی طرح یہ آیت " الکم الذکر وله الانثی تلك اذا قسمه ضیزی" اگر یوں ہوتی " الکم الذکر وله الانثی تلك قسمه ضیزی" تو صوتی ہم آہنگی باقی نہ رہتی جو "اذا" کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ " الاخری" اور " اذا" دونوں کو محض عبارت آرائی اور فقط وزن و قافیہ کے لیے غیر ضروری طور پر لایا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ الفاظ زائد نہیں بلکہ سیاق و سباق کے حوالہ سے لائے گئے ہیں اور یہ قرآن مجید کی ایک اور فنی خصوصیت ہے کہ کسی لفظ کو ایک خاص معنی و مفہوم کی ادائیگی کے لیے لایا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے صوتی حسن و جمال میں بھی اضافہ ہو۔ بجز اس کے کہ نظم کلام میں کوئی غیر ضروری تغیر پیدا ہو۔(۳۳)

تمثیلی اسلوب

قرآن مجید نے اپنی بات سمجھانے کے لیے جا بجا تمثیلی طریقہ اختیار کیا ہے۔ سابقہ امم کی مثالیں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے عروج و زوال کی داستانوں پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ مشرکین کو توحید کا درس دینے اور منافقین کو اخلاص کا راستہ بتانے

اور مومنین کو حق کے راستے میں عزیمت کا درس دینے کے لیے تمثیلات بیان کی گئی ہیں۔ (۳۴)

قرآن مجید کے نظریہ تمثیل میں سورۃ بقرہ کی آیت نمبر۲۶ پیش کی جا سکتی ہے، "ان الله لا یستحی ان یضرب مثلاً ما بعوضة فما فوقها" یعنی خدا اس بات سے عار نہیں کرتا کہ مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز کی مثال بیان فرمائے۔

قرآن مجید میں مومنین کے ایمان کی تمثیل بیان کیا گئی ہے:

واذا قیل لهم امنوا کما امن الناس قالوا أنومن کما امن السفهاء الا انهم هم السفهاء ولکن لا یعلمون"

یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس طرح ایمان لے آؤ جس طرح یہ لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ جس طرح بے وقوف لوگ ایمان لے آئے ہیں اس طرح ہم بھی ایمان لے آئیں سنو یہی لوگ بے وقوف ہیں لیکن جانتے نہیں (سورۃالبقرہ آیت نمبر۱۳)۔

کفار کے معبودان باطلہ کو پکارنے کی تمثیل اس طرح بیان ہوئی ہے:

ومثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق بما لا یسمع الادعاء ونداء صم بکم عمی فهم لا یعقلون۔ (سورۃ البقرہ ۱۷۱)

جو کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ سن نہ سکے یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں اور اندھے ہیں کہ کچھ سمجھ نہیں سکتے۔

علمائے یہود کی مثال کچھ اس انداز سے بیان کی گئی ہے:

مثل الذین حملوا التوراة ثم لم یحملوها کمثل الحمار یحمل اسفارا بئس مثل القوم الذین کذبوا بایت الله والله لایهدی القوم الظلمین (سورۃ الجمعه ٥)

جن لوگوں (کے سر) پر تورات لدوائی گئی پھر انہوں نے اس (کے بار

ثقیل) کو نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں جو لوگ خدا کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں، ان کی مثال بری ہے خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ایجاز

ایجاز سے مراد یہ ہے کہ کم سے کم ممکن الفاظ میں معنی کو واضح کر دینا۔ ایجاز مفہوم مافی الضمیر کی ادائیگی کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس میں کسی شخص کے بعض حالات کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ انسان کل حالات سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید مختلف جماعتوں کے باطل افکار و نظریات قلمبند کرتا اور پھر سب کو عام اور مشترک جواب دیتا ہے۔ اس کی مثالیں سورۃ بقرہ میں موجود ہیں جہاں یہود و نصاری کو خطاب میں شریک کر کے مشترکہ جواب دیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ایجاز کا خاص نمونہ مکی دور کی چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں جن میں قرآن مجید کی اصل بنیادی دعوت اس طرح پیش کی گئی ہے کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ اس لیے ان سورتوں کو جوامع الکلم کہا گیا ہے۔ سورۃ اخلاص کو 'ثلث قرآن' کہا گیا ہے اور سورۃ العصر کے بارے میں امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اگر لوگ صرف اسی سورت پر غور کریں تو یہ ان کے لیے کفایت کرے گی۔ ایجاز بلاغت و بیان کا کمال ہے اگر ہر چیز کی تفصیل بیان کی جائے تو یہ عجز کی دلیل ہو گی کسی چیز کی مکمل تصویر اس وقت سامنے آ سکتی ہے جب اس کے اصل اور اہم اجزاء منتخب کیے جائیں اور غیر اہم چیزوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح نمایاں پہلو ذکر کرنے سے عام جزئیات خود بخود سامنے آ جائیں گی۔ (۳۵)

اس اسلوب میں قرآن مجید ایک کلمہ سے یا مختصر کلمات سے متعدد معانی پر دلالت کرتا ہے کہ جن کی تشریح طویل ہوتی ہے اور جب کوئی بلیغ متکلم ان معانی کی تعبیر بیان کرتا ہے جو قرآن کا مقصود ہے تو وہ اپنا مقصد زیادہ الفاظ جو کم معنی پر دلالت کرتے ہوں صرف انہی کے ذریعے بیان کر سکتا ہے، مثلاً اللہ تعالی نے سورہ النحل کی آیت نمبر ۹۰ میں ارشاد فرمایا:

ان اللہ یأ مر بالعدل والاحسان و ایتاء ذی القربی و ینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون۔

خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔ بے حیائی اور نامعقول کاموں سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے اور تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہر نیک کام کا حکم دیا اور ہر بری بات سے منع فرمایا اور آیت کو از حد بلیغ نصیحت کے ساتھ ختم کیا۔ اسی طرح ساری بات صرف چند الفاظ میں بیان کی۔ اس کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو، اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کی خوبیوں اور دنیا کی شراب کو جملہ خرابیوں کو سورہ واقعہ کی آیت نمبر۱۹ میں کچھ اس طرح بیان فرمایا : " لایصدعون عنھا ولا ینزفون" یعنی نہ اس سے سر میں درد ہوگا اور نہ ان کی عقلیں ضائع ہوں گی۔ یہ دونوں الفاظ دنیاوی شراب کے سب عیوب کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں، اس لیے قرآن نے ہر خوبی کو گنوانے کی بجائے صرف دو لفظوں میں شراب کے تمام نقائص بیان کر دیئے۔

استفہامیہ اسلوب

استفہام کے معنی طلب فہم کے ہیں اور یہ استخبار کے معنی میں آتا ہے۔ استخبار وہ ہے جو پہلی مرتبہ دریافت کیا جائے اور پوری طرح سمجھ میں نہ آئے جب اسے دوبارہ دریافت کیا جائے گا تو اسے استفہام کہا جائے گا۔ اس کی دو اقسام ہیں۔ خبر اور انشاء۔ خبر کی مزید دو اقسام ہیں۔ نفی اور اثبات۔ نفی کو استفہام انکاری بھی کہتے ہیں، اس میں استثناء کا استعمال بھی ہوتا ہے۔ اس کا مابعد نفی ہوا کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کے ساتھ الا حرف استثناء ضرور آتا ہے۔(۳۶)

بعض اوقات استفہام انکاری معطوف بھی ہوتا ہے۔ اس کی مثال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام پر ان کی قوم کے ایمان لانے کا واقعہ ہے ارشاد ہوا " قالوا أنومن لبشرین مثلنا و قومھما لنا عابدون"(۳۷) یعنی کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے

ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں اور ان کی قوم کے لوگ ہمارے خدمت گار ہیں؟[۳۷]

جبکہ استفہام تقریری میں مخاطب کو کسی ایسے امر کے اقرار اور اعتراف پر آمادہ کیا جاتا ہے جو اس کے نزدیک ظہور پذیر ہو چکا ہو مثلاً سورۃ الم نشرح کی ابتدائی آیت ملاحظہ فرمائیں " الم نشرح لك صدرك" (اے محمد ﷺ کیا ہم نے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا)۔ بعض کے نزدیک استفہام تقریری میں " هل " بھی استعمال ہوتا ہے۔[۳۸] مثلاً هل فی ذلك قسم لذی حجر۔[۳۹] یعنی بے شک یہ چیزیں عقلمندوں کے نزدیک قسم کھانے کے لائق ہیں (کہ کافروں کو عذاب ضرور ہوگا)۔

استفہامیہ اسلوب کی دیگر اقسام و امثال مندرجہ ذیل ہیں :

اثبات مع التوبیخ

کسی بات کو دھمکانے کے انداز میں بیان کرنے کو اثبات مع التوبیخ کہا جاتا ہے۔ مثال ملاحظہ ہو " الم تکن ارض الله الواسعة " (النساء۔ ۹۷) یعنی کیا خدا کا ملک فراخ نہیں تھا۔ یعنی جو لوگ بغیر کسی عذر کے ہجرت نہیں کرتے تو جب فرشتے موت کے وقت ان کی روح قبض کرتے ہیں تو اس وقت انہیں جھڑکتے ہوئے یہ الفاظ کہتے ہیں۔

اثبات مع العتاب

کسی سے اگر سرزنش کے اسلوب میں گفتگو کی جائے تو اس انداز کو اثبات مع العتاب کہا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ الحدید میں مومنوں سے خطاب کیا گیا ہے کہ " الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبهم لذكر الله وما نزل من الحق"[۴۰] یعنی کیا ابھی تک مومنوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد کرتے وقت اور (قرآن) جو (خدائے) برحق (کی طرف) سے نازل ہوا ہے اس کے سننے کے وقت ان کے دل نرم ہو جائیں؟

التبکیت

اس انداز سے گفتگو کرنا کہ مخاطب کو فوراً خاموش کرا دیا جائے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو جنہوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنایا ہے، حضرت عیسیٰ

کی زبانی ان کی اس غلطی پر آگاہ کرنے کا ذکر کچھ یوں فرمایا ہے۔

" أنت قلت للناس اتخذونی و امی الهین من دون الله۔[۴۱]

یعنی (اے ابن مریم) کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟۔ امام زرکشی کے نزدیک یہ بات عیسائیوں کو ان کے دعویٰ کے بارے میں خاموش کرانے کے لیے ہے۔[۴۲]

التسویہ

اس کے معنی کسی چیز کو برابر قرار دینے کے ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ آیت نمبر۶ میں فرمایا" سواء علیهم ء انذرتهم ام لم تنذرهم لا یؤمنون" یعنی انہیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لیے برابر ہے وہ ایمان نہیں لانے کے۔ امام زرکشی لکھتے ہیں : " ومعنی الاستواء فیه استواهما فی علم المستفهم لانه قد علم انه احد لا مرین کائن ام الانذار واما عدمه ولکن لا یعینه وکلاهما معلوم بعلم غیر معین"[۴۳] یعنی یہاں پر استوا کے معنی پوچھی گئی چیز کے بارے میں ان دونوں کا برابر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ بات معلوم ہو چکی ہے۔ کہ دونوں میں سے ایک معاملہ موجود ہے۔ ڈرانا یا نہ ڈرانا لیکن اس کو معین نہیں کر رہا اور یہ دونوں غیر معین کے ساتھ معلوم ہیں۔

التعظیم

اس کے معنی کسی چیز کو عظمت کے ساتھ ذکر کرنے کے ہیں۔ مثلاً " من ذالذی یشفع عنده الا باذنه"[۴۴] یعنی کون ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے ؟۔ اس آیت سے اللہ کی عظمت و کبریائی کا اظہار ہوتا ہے۔

تسہیل و تخفیف

آسانی کے اسلوب میں بات کرنے کو " تسہیل و تخفیف" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ یہودی آنحضورﷺ کی نشانیاں چھپانے کے حوالہ سے خلل کرتے تھے اور وہ لوگ جو مال راہ خدا میں خرچ کرنے سے گریز کرتے تھے ان کی مذمت نہایت لطیف انداز میں کی گئی یہی

مذکورہ اسلوب کی مثال ہے۔ آیت قرآنی ملاحظہ ہو " وما ذا علیهم لو امنوا باالله والیوم الاخر وانفقوا مما رزقهم الله"[۴۵] (ترجمہ) اگر یہ لوگ خدا پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے اور جو کچھ خدا نے ان کو دیا تھا اس میں سے خرچ کرتے تو ان کا کیا نقصان ہوتا؟۔

تکثیر

کسی چیز کو کثرت تعداد میں ذکر کرنے کا اسلوب تکثیر کہلاتا ہے مثلاً مکہ کے سرداروں کی چشم غفلت سے پردہ اٹھانے کے لیے سابقہ اقوام کے عبرت ناک انجام بیان کرتے ہوئے سورۃ اعراف آیت نمبر ۴ میں فرمایا " وکم من قریة اهلکنها" یعنی کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے تباہ کر ڈالیں۔ علامہ قرطبی کے نزدیک یہاں پر کم خبر یہ ہے اور کثرت کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔[۴۶]

استفهام بمعنی انشاء

استفہام کی دوسری قسم انشاء ہے یہ وہ کلام ہے جس کا مدلول کلام کے ساتھ خارج میں حاصل ہوتا ہے۔[۴۷] اس کی اقسام مندرجہ ذیل ہیں :

طلب

اس میں کوئی چیز حکم کے ذریعے طلب کی جاتی ہے مثلاً شراب کی خرابیوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا " فهل انتم منتهون "[۴۸] تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہئے۔

نہی

اس اسلوب میں انسان کو اس کے کسی فعل سے روکا جاتا ہے مثلاً سورۃ انفطار آیت نمبر ۶ میں انسان سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے " ما غرك بربك الكريم" یعنی (اے انسان) تجھے اپنے کریم پروردگار کے بارے میں کس چیز نے دھوکہ دیا۔ مراد یہ ہے کہ جس خدا نے تجھے پیدا کیا تیرے اعضاء کو درست کیا اور جس صورت پر اس نے چاہا تجھے بنا دیا ایسے خدا کے بارے میں دھوکہ مت کھا۔

التحذیر

تحذیر خوف دلانے کو کہتے ہیں مثال میں سورۃ المرسلات آیت نمبر۱۶ پیش کی جاتی ہے جہاں کفار کو راہ ہدایت دکھانے کے لیے سابقہ امم کے واقعات بیان کیے جا رہے ہیں کہ وہ لوگ جو تم سے ہر لحاظ سے زیادہ تھے جب انہیں ہلاک کر دیا تو تمہیں بھی ہلاک کر سکتے ہیں الفاظ قرآنی ملاحظہ ہوں : " الم نهلك الاولین " (ترجمہ) کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا۔

تذکیر

کسی چیز کی یاددہانی کرانے کے اسلوب کو تذکیر کہا جاتا ہے مثلاً جب برادران یوسف تیسری مرتبہ غلہ لینے مصر جاتے ہیں تو آپ ان سے پوچھتے ہیں " هل علمتم ما فعلتم بيوسف واخيه "(۴۹) یعنی (یوسف نے کہا) کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا؟ گویا کہ انہیں سابقہ واقعات کی یاددہانی کرائی جا رہی ہے۔

التنبیہ

اس حوالہ سے درج ذیل آیت پر غور فرمائیں " الم تر كيف فعل ربك باصحب الفيل "(۵۰) یعنی کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ صاحب معارف القرآن کے نزدیک اس استفہام و سوال سے مقصود اس واقعہ کی عظمت اور ہولناک ہونے پر تنبیہ کرنا ہے۔(۵۱)

ترغیب

انسان کو کسی امر کے بارے میں رغبت دلانے کا انداز ترغیب کہلاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ الصف آیت نمبر۱۰ میں مومنون کو ایک ایسی تجارت کے طرف رغبت دلا رہے ہیں جس سے انسان دردناک عذاب سے بچ جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اپنی جان اور مال سب راہ خدا میں قربان کر دو۔ آیت قرآنی ملاحظہ فرمائیں : "هل ادلكم على تجارة تنجيكم من عذاب اليم" (اے مومنو) میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں

جو تمہیں عذاب الیم سے نجات دے۔

التمنیٰ

کسی چیز کی خواہش کرنا "التمنی" کہلاتا ہے۔ جیسا کہ مجرم لوگ روز قیامت اپنا انجام دیکھ کر کہیں گے، "فهل لنا من شفعاء فیشفعوا لنا"(۵۲) یعنی بھلا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں کہ ہماری سفارش کریں۔

الدعا

امام زرکشی کے نزدیک دعا ہمیشہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے۔(۵۳) اس کی مثال میں سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۵ پیش کی جا سکتی ہے کہ بنی اسرائیل کے ۷۰ آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر گئے۔ رؤیت خداوندی کے اصرار پر انہیں ہلاک یا بے ہوش کیا گیا اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی "اتهلكنا بما فعل السفهاء"(۵۴) (موسیٰ نے کہا) کیا تو اس فعل کی سزا میں جو ہم میں سے بے عقل لوگوں نے کیا ہمیں ہلاک کر دے گا؟۔

العرض

نرمی کے ساتھ کسی چیز کے طلب کرنے کو 'العرض' کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عائشہؓ پر بہتان لگانے پر حضرت مسطح بن اثاثہ کی مالی امداد جب بند کر دی تو اللہ تعالیٰ نے نہایت دلکش انداز میں فرمایا "الا تحبون ان یغفرالله لکم" کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تم کو بخش دے، یہ آیت مذکورہ اسلوب کی مثال میں پیش کی جا سکتی ہے۔

التحضیض

سختی کے ساتھ کسی چیز کے طلب کرنے کا انداز التحضیض کہلاتا ہے اس کی مثال بیان کرنے سے قبل غزوہ تبوک کا منظر ذہن میں لائیے جب مسلمان غزوہ کے لیے روانہ ہوتے ہیں تو کفار مدینہ اور یہود و منافقین نے آنحضورﷺ کو مدینے سے نکالنے کا ارادہ کیا اور مشرکین عرب کو بھی بغاوت پر آمادہ کیا ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا "الا

تقاتلون قوماً نکثوا ایمانهم"(۵۵) یعنی بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا، گویا اس آیت میں سختی کے ساتھ مسلمانوں کو جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔

الاستبطاء

اس کے معنی کسی کام میں دیر کرنے کے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ یٰسین آیت نمبر ۴۸ میں کفار کا قول بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم جس قیامت کا ذکر کرتے ہو بہت دیر ہو چکی ہے اب تک نہیں آئی اس کا وقوع کس دن ہوگا۔ الفاظ قرآنی ملاحظہ ہوں " متی هذا الوعد ان کنتم صدقین" (ترجمہ) کہتے ہیں اگر تم سچ کہتے ہو تو یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا۔

الایناس

انسان کو کسی چیز سے مانوس کرانے کا اسلوب " الایناس" کہلاتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ طہٰ آیت نمبر ۱۷ میں فرمایا گیا" وما تلك بیمینك یا موسیٰ" (ترجمہ) اور اے موسیٰ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟۔ یہاں پر مقصد کسی نا معلوم چیز کو معلوم کرنا نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے سے مانوس کرنا ہے اور اس اعصاء کی طرف متوجہ کرنا ہے تاکہ وہ جب سانپ بن کر لہرانے لگے تو انہیں یقین آ جائے کہ یہ معجزہ ہے۔

التعجب

اس کی مثال میں سورۃ النمل کی آیت نمبر ۲۰ پیش کی جا سکتی ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو غیر حاضر پایا تو از راہ تعجب فرمایا کہ اگر اس نے اپنی غیر حاضری کی معقول وجہ بیان نہ کی تو اسے سخت سزا دی جائے گی یا پھر اسے ذبح کر دوں گا۔ آیت قرآنی کے الفاظ ملاحظہ ہوں " مالی لا اری الهد هد" (ترجمہ) سلیمان کہنے لگے، کیا سبب ہے کہ ہدہد نظر نہیں آتا؟۔

توبیخ

ملامت کرنے اور ڈانٹنے کا انداز " توبیخ" کہلاتا ہے۔ جیسا کہ علمائے یہود جو لوگوں کو

یہ حکم دیتے کہ تورات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس پر عمل کرو لیکن خود ذاتی فائدے کے لیے تورات کے صریح احکام کو پس پشت ڈال دیتے ہیں تورات کی بیان کردہ علامات آنحضورﷺ میں دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لاتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دورخی پالیسی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: " اتأ مرون الناس بالبر و تنسون انفسکم "(۵٦) (ترجمہ) یہ کیا (عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنے تئیں فراموش کیے دیتے ہو؟۔

خلاصہ بحث

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن مجید ایک ایسا کلام ہے جس نے نازل ہوتے ہی اپنے اسلوب سے پوری دنیا کو چیلنج کر دیا اور پھر تاریخ نے دیکھا کہ کسی نے بھی طبع آزمائی کی جرأت نہ کی۔ قرآن کا روایتی تصنیفی اسلوب نہیں ہے قرآن مجید کے صفحات پر مختلف نوع کے مضامین بکھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، کہیں اخلاقی ہدایات دی جا رہی ہیں تو کہیں اعتقادی مسائل زیر بحث ہیں۔ کہیں تاریخی قصے ہیں تو کہیں آثار کائنات کی گتھیاں سلجھائی جا رہی ہیں اور یہ تمام باتیں مختلف اسالیب میں بیان کی گئی ہیں تاکہ ان کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

حوالہ جات

۱۔ سیّد، عبداللہ، ڈاکٹر، اشارات تنقید، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸٦ء، ص ۲٦۷ تا ۲۷۰

۲۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، قرآن محل تاجران کتب کراچی ۱۳۸۳ء، ص ۱۲۲۔

۳۔ ایضاً، ص ۱۳۳ تا ۱۳۴

۴۔ ایضاً، ص ۱۴

۵۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، الجز الربع، ص ٦۰۔

٦۔ القرآن، ۲٦۔ ۱۹٦

۷۔ الاتقان فی علوم القرآن، الجز الرابع، ص ٦۳

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً، ص ٦۴

۱۰۔ قطب، سیّد، شہید، التصویر الغنی فی القرآن، اردو ترجمہ، غلام احمد حریری بعنوان قرآن کے فنی محاسن، اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی، ص ۵۰
۱۱۔ ایضاً، ص ۱۲
۱۲۔ ایضاً، ص ۹۹
۱۳۔ ایضاً، ص ۱۱۰
۱۴۔ الفوز الکبیر، ص ۴۴
۱۵۔ قرآن کے فنی محاسن، ص ۲۰۱
۱۶۔ فراہی، عبدالحمید، اسالیب القرآن، مکتبہ دائرہ الحمیدیہ، اعظم گڑھ، ہندوستان، ص ۲۵
۱۷۔ الفوز الکبیر، ص ۷۸
۱۸۔ ایضاً، ص ۸۵
۱۹۔ ایضاً، ص ۸۵ تا ۸۹
۲۰۔ اصلاحی، ضیاء الدین، ایضاح القرآن، یونائیٹڈ بک کارپوریشن کراچی، ص ۱۰ تا ۱۲
۲۱۔ اسالیب القرآن، ص ۱۹
۲۲۔ خالد مسعود، مقالہ بعنوان، التفات ماہنامہ تدبر فاران اکیڈمی لاہور، جولائی، ۱۹۹۰ء، ص ۱۸
۲۳۔ ایضاح القرآن، ص نمبر ۲۲ تا ۲۳
۲۴۔ ایضاً، ص ۲۰
۲۵۔ زمخشری، محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق، غوامض التنزیل و عیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، الجزء الثانی، ص ۹۷
۲۶۔ الاتقان، الجز الثالث ص ۳۷۳ تا ۳۷۵
۲۷۔ ایضاح القرآن، ص ۲۳
۲۸۔ ندوی، سلیمان، سیّد، مقالات، مرتب شاہ معین الدین ندوی، در مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۷۱ء، ص ۷۵
۲۹۔ طبارہ عبدالفتاح عفیف، روح السلام، اردو ترجمہ سیّد ابوالحسن برقی، مکتبہ الھدی، کراچی، ص ۸۶ تا ۸۷
۳۰۔ الفوز الکبیر، ص ۱۳۰ تا ۱۳۱
۳۱۔ قرآن کے فنی محاسن، ص ۱۴۴
۳۲۔ الفوز الکبیر، ص ۱۲۳
۳۳۔ قرآن کے فنی محاسن، ص ۱۴۷ تا ۱۴۸

۳۴۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تمثیلات قرآنی، مرتب اختر حجازی، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ص ۷

۳۵۔ ایضاح القرآن، ص ۱۸ تا ۱۹

۳۶۔ زرکشی بدرالدین محمد بن عبداللہ، البرہان فی علوم القرآن، دارالفکر بیروت (ت ن) ج ۲، ص ۳۲۶ تا ۳۲۸

۳۷۔ القرآن، ۲۳ : ۴۷

۳۸۔ البرہان فی علوم القرآن، ج ۲ ص ۳۳۲

۳۹۔ القرآن، ۵ :۸۹

۴۰۔ القرآن، ۵۷ :۱۶

۴۱۔ القرآن، ۵ :۱۱۶

۴۲۔ البرہان فی علوم القرآن، ج ۲، ص ۳۳۶

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ القرآن، ۲ :۲۵۵

۴۵۔ القرآن، ۴ :۳۹

۴۶۔ قرطبی، عبداللہ، محمد بن احمد، الانصاری، الجامع الاحکام القرآن، الجزا السابع، دارالاحیاء، التراث العربی بیروت، ص ۱۶۲

۴۷۔ الاتقان فی علوم القرآن، الجزء الثالث، ص ۲۵۷

۴۸۔ القرآن، ۵ :۹۱

۴۹۔ القرآن، ۱۲ :۸۹

۵۰۔ القرآن، ۱۰۵ :۱

۵۱۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارہ المعارف کراچی، ج ۸، ص ۸۱۷

۵۲۔ القرآن، ۷ :۵۳

۵۳۔ البرہان فی علوم القرآن، ج ۲، ص ۳۴۱

۵۴۔ القرآن، ۲۴ :۲۲

۵۵۔ القرآن، ۹ :۱۳

۵۶۔ القرآن، ۲ :۴۴